© rasailojaraid.com

مذاکرۂ علمیّہ

ایمان بالغیب اور مذہب تجدد

جریدۂ "نگار" کا تبصرہ اور اس پر ایک نظر

ماہ جون کے "نگار" میں حضرت نیاز فتحپوری نے "ترجمان القرآن" پر ایک مفصل تبصرہ فرمایا ہے جس کے لئے میں ان کا شکر گذار ہوں، اگرچہ عموماً رسائل و جراید کے انتقادات پر بحث کرنے اور ان پر جوابی نقد کرنیکا دستور نہیں ہے لیکن چونکہ ناقد فاضل نے اپنے تبصرہ میں بعض ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ان کے مذہب تجدُّد کے مخصوص اصول و مبانی سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی اصلاح کرنا "ترجمان القرآن" کے اولین مقاصد میں سے ہے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان پر اظہار خیال کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔

عبارت تبصرہ | وہ لکھتے ہیں:-

اس رسالہ کا مقصود اس کے نام سے ظاہر ہے، یعنی مطالب قرآنی اور تعلیمات فرقانی کو ان کی صحیح روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا یقیناً اس مقصود کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن جیسا کہ خود فاضل ایڈیٹر نے ظاہر کیا ہے عہد حاضر میں اس مدعا کی تکمیل آسان نہیں۔ عہد ماضی میں جب مذہب نام صرف اسلاف پرستی و قدامت پرستی کا تھا کسی شخص کا مبلغ یا مصلح بن جانا دشوار نہ تھا لیکن اب جبکہ علوم جدیدہ اور انکشافات حاضرہ نے "عمل خیال" کی بالکل نئی طرح ڈال کر حریت فکر و ضمیر کی دولت دماغوں کو مالا مال کر دیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب صرف اس دلیل کی بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتا کہ اس کے اسلاف کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ اور وہ بھی وہی سوچتے تھے جواب بتایا جاتا ہے۔

پہلے اگر خدا کی وحدانیت سے بحث کی جاتی تھی تو اب سرے سے خدا کا وجود ہی محل نظر بتایا جاتا ہے اگر پہلے ایک رسول کی ہدایت اس کے معجزوں سے ثابت کیجا سکتی تھی تو اب علوم مقناطیسیہ انہی معجزوں کی دلیل پر ہزاروں رسول و نبی پیدا کرنے کے لئے آمادہ ہیں پہلے ایک واعظ آسمان کی طرف دیکھ کر عرش و کرسی والے خدا کو پکار سکتا تھا، لیکن آج جب کہ آسمان ہی کوئی چیز نہیں رہا، ان کا ایسا کرنا کسی طرح مفید یقین نہیں ہو سکتا الغرض اب زمانہ "یومنون بالغیب" کا نہیں رہا بلکہ "یومنون بالتجربۃ والشہود" کا ہے اور ایسے نازک وقت میں کسی شخص کا مذہب کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جانا آسان کام نہیں، جب کہ خود نفس مذہبیت کا خیال بھی اپنی جگہ چنداں قابل قبول نہیں

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں :۔

قرآن پاک اپنے معنی کے لحاظ سے تین حصوں پر منقسم ہے ایک وہ جس میں اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ دوسرا وہ جس میں اعتقادات پیش کئے گئے ہیں اور تیسرا وہ جو قصص تمثیلات پر مشتمل ہے حصہ اول کے متعلق نہ زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی دلیل و برہان کے لانے کی کیونکہ تعلیم اخلاق تمام مذاہب کی تقریباً یکساں ہے اور ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیم دوسرے مذاہب کی تعلیم سے مختلف یا برتر نہیں ہے البتہ حصہ دوم اور حصہ سوم پر زیادہ توجہ کرنا چاہیئے، کیونکہ علوم جدیدہ اور اکتشافات حالیہ نے انہی دو حصوں کی طرف سے ریب و تذبذب کی کیفیت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان شبہات کو دور کر دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب ہوجائے تو وہ اس صدی کا مجدد کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

اس لئے میں مشورہ دونگا کہ ایک مستقل باب اس موضوع پر قائم کرکے تمام ان آیات قرآنی کا استقصا کرنا چاہئے جو عقاید مخصوص کے متعلق ہیں اور ان کا مفہوم صحیح و مدعا متعین کرکے ان اعتراضات کو رفع کرنا چاہئے جو اس وقت اہل علم و تحقیق کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں۔"

آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"آیندہ کے لئے میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے وحی و الہام کی حقیقت پر گفتگو کریں کہ اسی کے سمجھنے پر کلام اللہ کی حقیقت کا سمجھنا منحصر ہے اور پھر مسئلہ معاد کو لیں کہ اسی کے حل ہونے پر انحصار مذہبیت و لامذہبیت کا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کلام آلہی اور معاد کا کیا مفہوم متعین کرتے ہیں اس کے بعد میں اپنے شبہات و اعتراضات پیش کرونگا اور اگر ان کی کوشش سے وہ دور ہوگئے تو مجھے بڑی مسرت ہوگی کیونکہ "ناچار مسلمان شو" کی جس لعنت میں بہت سے لوگ گرفتار ہیں، اس کا ایک سبب عقیدۂ معاد بھی ہے"

ماحصل | فاضل معترض نے جن فرعی و جزئی مسائل کی طرف اشارات کئے ہیں ان کو چھوڑ کر میں صرف ان امور سے بحث کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق اصول سے ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کے مباحث کی تقسیم تین حصوں پر کی ہے لیکن ہم بآسانی ان کو صرف دو حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ حصہ جس کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے علم کی حدود سے باہر یا ہمارے ادراک کی سرحد سے ماورا ہیں جن کے متعلق ہم قطعیت کے ساتھ صحیح یا غلط ہونے کا کوئی حکم عقلی نہیں لگا سکتے اور جن میں قرآن ہم کو ایمان بالغیب لانے کی دعوت دیتا ہے اور دوسرے وہ امور جو ہمارے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہیں، اور جن میں قطعیت کے ساتھ کوئی حکم عقلی لگانا ہمارے لئے ممکن ہے۔ پہلے حصہ میں وجود و صفات آلہی، فرشتے، وحی و کتب آسمانی، حقیقت نبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معبودِ برحق

(مولوی ابو العطا امجد دہلی)

دنیا جس کے ارادے سے پیدا ہوئی ہے اُس کا ذکر فطرت میں منقوش ہے ہر شئی اپنے موجد اور خالق و مالک کی حمد و ثنا کرتی ہے۔ قرآن کریم نے اس راز کو ان خوبصورت الفاظ میں پیش کیا ہے۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط سورہ بنی اسرائیل رکوع ۵ جس کا مطلب یہ ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین جو کچھ اُن میں ہے اُسی کی توصیف و ثنا کرتے ہیں اور کوئی بھی شئی ایسی نہیں جو اپنی صورت و سیرت اور زبانِ حال و قال سے اُس واحد لاشریک اللہ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا نہ کرتی ہو اگرچہ اُن کی اس حمد و ثنا کو ہم میں سے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

یہ ہے وہ امر جو فطرت میں منقوش ہے اور قرآنِ کریم کی خوبی کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

قرآنِ کریم نے معبودِ برحق خالقِ کل کا جو نام پیش کیا ہے وہ بجائے خود اپنے اندر اس امر کا مفہوم رکھتا ہے جو معبودِ برحق کیلئے ضروری ہے۔ علامہ رازی نے اپنی بے نظیر تفسیر کبیر کی جلد اول میں اس راز کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے اُس کو کسیقدر یہاں پر بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔

تمام عرب اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام نے جو نام اللہ تعالیٰ کا پیش کیا ہے وہ کبھی اور کسی حالت میں اصنام کے لئے تجویز نہیں کیا گیا یعنے اسم "اللہ" ۳۶۰ بتوں کی پرستش کے جنون کے باوجود عرب میں یہ نام بھی ذاتِ واحد کے لئے مخصوص تھا۔ اگرچہ بتوں کی محبت اور شوقِ پرستش نے اس کی جانب سے بے پرواہی کی وبائے عام کو بھلا دیا تھا۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ "اللہ" اصل میں "لاالٰہ" تھا الف لام تعریف خاص کا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حریت فکر و ضمیر کی دولت سے دماغوں کو ایسا مالا مال کیا تھا کہ ان کے روشن زمانہ میں "یومنون بالغیب" کی گنجائش ہی نہ تھی کیا بالکل یہی حالت دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی تک نہیں گذری ہے؟ افلاطون، ارسطو، اپکیوریس، زینو، برقلس، اسکندر افرودسی، فرفوریوس، فلاطینوس اور دوسرے علمائے فلسفہ و حکمت کے خیالات جب اسلامی ممالک میں شایع ہوئے تھے اور ان کی بدولت فلسفیانہ تفکر اور عقلی اجتہاد کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا، تو کیا اس وقت بھی ایک گروہ نے بالکل یہی نہ سمجھا تھا جو اب ایک گروہ سمجھ رہا ہے؟ کیا اس زمانہ کی "حریت فکر و ضمیر" اور عمل و خیال کی نئی طرح نے اسی طرح لوگوں کو مذہبی معتقدات کی طرف سے ریب و شک میں نہ ڈال دیا تھا؟ مگر پھر کیا ہوا؟ فلاسفہ کے وہ بہت سے نظری و قیاسی مسائل جن پر اس وقت کے لوگ ایمان لے آئے تھے، بعد میں غلط ثابت ہوئے وہ آفتاب علم جس کے سامنے ان لوگوں کو مذہب کی شمع ٹمٹماتی نظر آرہی تھی زمانہ کی ایک ہی گردش میں بے نور ہو کر رہ گیا، ان کے علوم جدید فرسودہ ہو گئے، ان کے اکتشافات میں عمل و خیال کی نئی طرحیں ڈالنے کی قوت باقی نہ رہی اور جو طرحیں انہوں نے ڈالی تھیں وہ سب پرانی ہو گئیں حتی کہ اپنے زمانہ کے اکتشافات پر کامل یقین و اذعان رکھتے ہوئے انہوں نے جو عقلی استدلالات کئے تھے اور ان پر جن مذاہب حکمت کی بنیاد رکھی تھی ان میں سے اکثر کو آج ایک معمولی طالب علم بھی لغو و مہمل قرار دینے میں تامل نہیں کرتا

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی تاریکی میں مذہب کی شمع جل سکتی تھی مگر اب اس روشنی کے زمانے میں نہیں جل سکتی، تو ہمیں بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے کیونکہ جن چیزوں کو آج علوم جدیدہ اور اکتشافات حاضرہ کہہ کر وہی دعوے کئے جا رہے ہیں جو پہلے کئے گئے تھے، ان کے متعلق بھی ہم کو یقین ہے کہ ان میں سے بیشتر کا وہی حشر ہونا ہے، جو گذشتہ لوگوں کے "علوم جدیدہ" و "اکتشافات حاضرہ" کا ہو چکا ہے اور عمل و خیال کی یہ نئی طرحیں بھی زمانہ کی گردش کے ساتھ پرانی اور فرسودہ ہو جانے والی ہیں، آپ ان تمام علوم و اکتشافات پر ایک غائر نظر ڈالئے جو آپ کا سرمایۂ فخر و ناز ہیں، اور خود ان لوگوں سے جو ان علوم و اکتشافات کے اصلی محقق اور مکتشف ہیں دریافت کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گذشتہ علوم کی طرح ان میں بھی ایسے یقینیات بہت کم ہیں جن کے متعلق اعتماد کیا تھا یہ کہا جا سکتا ہو کہ انکے غلط ثابت ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، باقی جتنی چیزیں ہیں سب ظنون، قیاسات، نظریات، ارتیابات اور تذبذبات ہیں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ ترقی کی جانب زمانہ کا قدم جتنا جتنا آگے بڑھتا جائیگا "یہ علوم جدیدہ" اور "یہ اکتشافات حاضرہ" قدامت کا لباس حاصل پہنتے جائیں گے اور عمل وخیال کی یہ نئی طرحیں جو ان ناپائدار علوم واکتشافات کے بھروسہ پر پڑی ہیں، کچھ دوسری نئی طرحوں کے لئے جگہ خالی کرتی چلی جائیں گی۔

پس جب حال یہ ہے تو ایک ہوشمند اور بالغ النظر آدمی کے لئے محض اس چیز سے مرغوب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب "علوم جدیدہ" و "اکتشافات حاضرہ" نے "عمل وخیال کی نئی طرحیں ڈالدی ہیں" اور "حریت فکر وضمیر" کی دولت سے دماغوں کو مالا مال کر دیا ہے لہذا اب خدا جانے مذہب کا کیا حشر ہو۔ وہ تو ان علوم واکتشافات پر ایک تحقیقی نظر ڈالکر یہ دیکھے گا کہ ان میں جو چیزیں مذہب سے متصادم ہو رہی ہیں وہ یقینی بھی ہیں یا نہیں اگر وہ فی الواقع یقینیات ہوں اور مذہب کے حقیقی معتقدات سے متصادم بھی ہوں تو بلاشبہ اس کے لیئے یہ سوال پیدا ہو جائیگا کہ مذہب اپنا یقینی تسلیم کرنے کے لائق ہے یا نہیں۔ لیکن اگر وہ محض قیاسات و نظریات ہوں۔ یا محض شک اور تذبذب میں ڈالنے والی چیزیں ہوں تو وہ ان کے اور مذہب کے تصادم سے ہرگز نہ گھبرائے گا کیونکہ مذہب کی بنیاد اگر یقین واذعان پر ہے تو یقین و اذعان کے مقابلہ میں ظن وقیاس اور شک وتذبذب کو ہرگز کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اور اگر وہ بھی ظنی وقیاسی چیز ہے تو اسی ظن وقیاس پر ان علمی نظریات کی بنیاد بھی ہے پھر دونوں میں موجب ترجیح کیا چیز ہے؟

علوم جدیدہ واکتشافات حاضرہ سے مرعوب ہو کر مذہب کی طرف ایک ترمیم طلب نگاہ ڈالنا تو صرف ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کے دل میں یہ تخیل گھر کر گیا ہے کہ ہر نئی چیز علم واکتشاف ہے اور زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے اس کو قبول کر لینا یا اس پر ایمان لے آنا ضروری ہے۔ خواہ اس کی حیثیت محض قیاسی و نظری ہی ہو، اور خواہ اس کو انہوں نے گہری علمی بصیرت کے ساتھ نقد صحیح کی کسوٹی پر پرکھا بھی نہ ہو۔ ایسے ہی لوگوں میں "عمل وخیال کی نئی طرحیں" ڈالنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے حالانکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ عمل وخیال کی نئی طرحیں کیونکر پڑتی ہیں اور کونسی طرح جما تا ہوتی ہیں اور کونسی محض ٹھٹھا نہ؟

اسی طرح "حریت فکر وضمیر کی دولت سے مالا مال" ہونے کا دعوی بھی ایسے ہی سطحی النظر لوگوں کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے مگر انھیں معلوم نہیں کہ مجرد حریت فکر وضمیر ایک نعمت اور ایک خطرناک علالت ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایک وسیع اور پختہ علم آئے تب تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالغ نظر، ایک متوازن اور صحیح الفکر دماغ نہ ہو، اور یہ وہ چیز ہے جس کو عطا کرنے میں قدرت نے اتنی فیاضی سے کام نہیں لیا ہے، جتنی آج کل فرض کر لی گئی ہے۔

ایمان بالغیب

دوسرا نظریہ جو اسی پہلے نظریہ سے نکلا ہے، یہ ہے کہ اب زمانہ "یؤمنون بالغیب" کا نہیں بلکہ "یؤمنون بالتجربۃ والشہود" کا ہے۔ میں بہت غور کرنے کے بعد بھی نہیں سمجھ سکا کہ ان الفاظ سے قائل کا حقیقی مقصود کیا ہے، اگر مقصود یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسی بات تسلیم نہیں کی جاتی جس پر غیب کا اطلاق ہوتا ہو، اور جس کا تجربہ یا مشاہدہ نہ کیا گیا ہو، تو یہ بالکل غلط ہے، ایسا کہنے کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا کہ اس زمانہ کے لوگوں نے صرف اسی حد کے اندر محدود رہنا قبول کر لیا ہے جس میں ان کا تجربہ و مشاہدہ ان کے لئے وسیلہ اکتساب علم بن سکتا ہے، اور جس میں ان کے حواس کام دے سکتے ہیں، اور اس دائرے سے باہر جتنے امور ہیں ان کے بارے میں فکر کرنا اور قیاس و استقراء سے ان کے متعلق حکم لگانا اس نے چھوڑ دیا ہے۔ مگر کوئی شخص جس نے "علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ" کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے، اس بیان کو تسلیم نہ کریگا۔ فلسفہ اور مابعد الطبیعیات کو تو چھوڑیئے جس کی بحث تمام تر امور غیب سے ہے، خود سائنس اور اس کے علوم طبیعیہ کو لیجئے جن کے اعتماد پر آپ "ایمان بالتجربۃ والشہود" کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس فن کا کونسا شعبہ ایسا ہے جس کی تحقیقات کا مدار قوت، انرجی، قانون فطرت، مادہ، رشتہ علت و معلول اور ایسے ہی دوسرے امور کے اقرار و اثبات پر نہیں ہے؟ کونسا عالم طبیعی ایسا ہے جو ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتا؟ مگر کسی بڑے سے بڑے حکیم سے پوچھئے کہ ان میں سے کس کی حقیقت وہ جانتا ہے؟ کس کی کنہ تک اس کے حواس پہنچ سکے ہیں؟ کس کے نفس وجود کا تجربہ و مشاہدہ اس نے کر لیا ہے؟ اور کس کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت وہ پیش کر سکتا ہے؟ پھر یہ غیب پر ایمان نہیں تو کیا ہے؟

ان الفاظ کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف وہی بات مانی جاتی ہے جس کا تمام انسانوں نے تجربہ و مشاہدہ کیا ہے، اور جو نوع انسانی کے ہر فرد کے لئے شہود و حضور کا مرتبہ رکھتی ہے، لیکن یہ ایسی بات ہے جو کسی مرد عاقل کی زبان سے نہیں نکل سکتی اس لئے کہ یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ تمام انسانی معلومات تمام افراد انسانی کو فرداً فرداً حاصل نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس میں مخصوص جماعتوں اور مخصوص افراد کو اختصاص کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے، ان خصوصی معلومات کا ہر شعبہ صرف اپنے مختص عالموں کیلئے حاضر اور باقی تمام انسانوں کیلئے غائب ہوتا ہے، اور جمہور کو اس شعبہ کے متعلق اس جماعت کا ایمان بالغیب [illegible] مفہوم یہ [illegible] کا ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کا ہر شخص صرف وہی بات مانتا ہے جو اس کے ذاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربے یا مشاہدے میں آئی ہو، اور ایسی کسی بات کو نہیں مانتا جو خود اس کے لئے غیب کا حکم رکھتی ہو لیکن یہ ایسی بات ہے کہ اس سے زیادہ مہمل کوئی بات انسانی دماغ سے نکل نہیں سکتی اس صنعت کا کوئی آدمی نہ کبھی پایا گیا ہے نہ آج پایا جاتا ہے، نہ قیامت تک اس کے پائے جانے کی امید ہے اور اگر وہ فی الواقع کہیں موجود ہے تو اس کی نشان دہی کرنے میں ہرگز تامل نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو اس کا مستحق ہے کہ عجائب عالم میں اس کا نمبر سب سے پہلا ہو۔

غرض آپ خواہ کسی پہلو سے اس فقرہ کو دیکھیں اس میں کوئی صداقت آپ کو نظر نہ آئے گی، خود تجربہ ومشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ یہ زمانہ بھی اسی طرح یومنون بالغیب کا ہے جس طرح گذشتہ زمانہ تھا، اور ایمان بالغیب جس چیز کا نام ہے اس سے انسان کو نہ کبھی چھٹکارا ملا ہے، نہ مل سکتا ہے، ہر شخص اپنی زندگی کے ۹۹۹ فی ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ معاملات میں ایمان بالغیب لاتا ہے اور لانے پر مجبور رہے، اگر وہ یہ عہد کرلے کہ صرف اپنے تجربہ اور مشاہدہ پر ہی ایمان لائے گا تو اس کو معلومات کا وہ تمام ذخیرہ اپنے دماغ سے خارج کر دینا پڑیگا، جسے دوسروں پر اعتماد کر کے اس نے مقام علم ویقین میں جگہ دی ہے اور اکتساب علم کے ان تمام ذرائع کا مقاطعہ کر دینا پڑیگا۔ جو خود اس کے اپنے تجربہ ومشاہدہ سے ماسوی ہیں، اور یہ ایسی حالت ہوگی جس میں وہ زندہ ہی نہ رہ سکے گا، کجا کہ دنیا کا کوئی کام کر سکے پس ایمان بالغیب کی کلی نفی، اور "ایمان بالتجربۃ والشہود" کا کلی اثبات، نہ اس زمانہ میں ممکن ہے اور نہ اس سے بھی زیادہ روشن کسی اور زمانہ میں لامحالہ ہر زمانے اور ہر حالت میں انسان مجبور ہے کہ اپنے ذاتی تجربہ ومشاہدہ کے بغیر بہت سی باتیں محض دوسروں کے اعتماد پر مان لے کچھ باتیں اس کو خبر متواتر کی بنا پر ماننی پڑتی ہیں جیسے کہ سنکھیا کھانے سے آدمی مر جاتا ہے حالانکہ ہر شخص نے نہ خود سنکھیا کھا کر اس کا تجربہ کیا نہ کسی کو کھا کر مرتے ہوئے دیکھا، کچھ باتوں کو ایک یا چند معتبر آدمیوں کی روایت سے مان لینا پڑتا ہے جیسے عدالتوں کا شہادت پر اعتماد، کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو قانون کی مشین ایک لمحہ کے لئے بھی حرکت نہ کر سکے کچھ باتیں صرف اس بنا پر تسلیم کر لینی پڑتی ہیں کہ انکو ایک ماہر فن کہہ رہا ہے۔ یہ حالت ہر مدرسہ اور ہر کالج میں ہر طالب علم پر گذرتی ہے اگر وہ اپنے فن کے اکابر علماء و ماہرین کی تحقیقات اور ان کے اکتشافات ونظریات پر ایمان بالغیب نہ لائے تو علم کے میدان میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، اور نہ کبھی ترقی کر کے اس مقام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک پہنچ سکتا ہے۔ جہاں وہ خود ان علما و ماہرین کی طرح حقائقِ علمیہ کی تحقیق کرنے کے قابل ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہم ان تمام معاملات میں دوسروں پر ایمان بالغیب لاتے ہیں اور لانے پر مجبور ہیں جن میں ہم نے اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے اکتسابِ علم نہیں کیا ہے، اور دوسرے لوگوں نے کیا ہے۔ اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے اور اسی پر فیصلہ کا انحصار ہے کہ کس معاملہ میں کس پر ایمان بالغیب لانا چاہئے؟ اصولاً یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ایسے ہر معاملہ میں صرف اس شخص یا جماعت پر ایمان لانا چاہئے جس کے متعلق ہم کو یہ اطمینان ہو کہ اسے اس معاملہ کا بہتر علم حاصل ہے اور اس کے پاس اس کو جاننے کے بہتر ذرائع موجود ہیں۔ اسی قاعدہ کلیہ کے تحت ایک مریض ڈاکٹر کو چھوڑ کر وکیل سے مشورہ نہیں کرتا۔ اور ایک اہل مقدمہ وکیل کو چھوڑ کر انجنیر کے پاس نہیں جاتا۔ لیکن الٰہیات و روحانیات کے مسائل میں یہ اختلاف واقع ہوتا ہے کہ آیا ان میں علمائے فلسفہ و ماہرین علوم عقلیہ کی رائے تسلیم کی جائے یا عالم انسانی کے مذہبی و روحانی پیشواؤں کی؟ خدا اور ملائکہ، وحی و الہام، روح اور حیات بعد الموت، عذاب و ثواب آخرت اور ایسے ہی دوسرے امور غیب میں کانٹ اور اسپنسر، آئن سٹائن اور برگساں جیسے لوگوں کی بات مانی جائے، یا ابراہیم و موسیٰ، عیسیٰ و محمد علیہم السلام جیسے بزرگوں کی؟ "حریت فکر و ضمیر" کے مدعیوں کا رجحان پہلے گروہ کی جانب ہے، اور وہ انہی کی مہیا کی ہوئی کسوٹی پر دوسرے گروہ کی باتوں کو کس کر دیکھتے ہیں۔ جو باتیں اس کسوٹی پر کھری نکلتی ہیں انھیں مان لیتے ہیں، اس لئے نہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کہی ہیں بلکہ اس لئے کہ حکما و فلاسفہ نے ان کو شرفِ قبول عطا کیا ہے (اور بدقسمتی سے ایسی باتیں بہت ہی کم بلکہ بالکل نہیں ہیں) اور جو باتیں اس پر کھوٹی نکلتی ہیں، ان کو غیر معتبر قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔ برعکس اس کے "قدامت پرستوں" اور اسلاف پرستوں کا مسلک یہ ہے کہ نہ طبیعیات و عقلیات کی باتیں الٰہیات و روحانیات والوں سے پوچھو اور نہ اس کے برعکس الٰہیات و روحانیات کی باتیں عقلیات و طبیعیات والوں سے۔ دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں، اور ایک علم میں دوسرے علم کے ماہر کی رائے پر اعتماد کرنا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ حکما و فلاسفہ اپنے عقلی علوم میں خواہ کتنی ہی اعلیٰ بصیرت رکھتے ہوں، لیکن علوم الٰہیہ میں ان کا مرتبہ ایک عامی سے زیادہ نہیں ہے اور وہ ان کے متعلق معلومات کے اتنے ہی ذرائع رکھتے ہیں جتنے ہر معمولی انسان رکھتا ہے۔ یہ علوم مخصوص ہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ۔ وہی ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہر ہیں اور انہی کے پاس ان کے جاننے کے اصلی ذرائع ہیں، اس لئے ان کے مسائل میں انہی پر ایمان بالغیب لانا چاہئے۔ آپ کے لئے بحث و کلام کی گنجایش اگر ہے تو وہ صرف اس امر میں ہے کہ آیا وہ فی الواقع سچے اور علوم الٰہیہ میں صاحب بصیرت تامہ ہیں یا نہیں مگر جب یہ بات ثابت ہو جائے، یا ثابت کر دی جائے کہ فی الحقیقت ایسے ہیں، تو پھر جو باتیں اپنی بصیرت اور اپنے علم کی بنا پر انہوں نے بیان کی ہیں وہ سب آپ کو ماننی پڑیں گی۔ ان سے انکار کرنا اور ان کے خلاف دلیل و حجت لانا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے ایک اندھا سورج کے وجود سے انکار کردے اور آنکھوں والے کو جھٹلانے کے لئے وجود شمس کے امتناع پر دلیلیں پیش کرے۔ ایسا شخص اپنے زعم میں خواہ کتنا ہی بڑا فلسفی ہو، مگر جو اپنی آنکھوں سے سورج کو دیکھ رہا ہے وہ اس نابینا کے متعلق جو کچھ رائے قائم کریگا اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

ریب و تذبذب کا اصلی علاج

آپ کہیں گے کہ انبیا علیہم السلام نے امور غیب کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی تائید "علوم جدیدہ" و "اکتشافات حاضرہ" سے نہیں ہوتی، اور اس لئے لوگ "ریب و تذبذب" میں مثلاً "و ناچار مسلماں شو کی لعنت میں گرفتار" ہو گئے ہیں، مگر میں کہونگا کہ ان علوم و اکتشافات میں وہ کونسے یقینیات ہیں جو اصول اسلام سے ٹکراتے ہیں؟ اگر ہیں تو وہ پیش فرمائیے تاکہ ہم بھی غور کریں کہ آیا قرآن کو مانیں یا علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ کو۔ اور اگر نہیں ہیں اور ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ خود آپ کے الفاظ "ریب و تذبذب" "و ناچار مسلماں شو" سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر کیا علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ کے اسلحہ خانے میں صرف ظنیات و قیاسات ہی کے وہ ہتھیار رہ گئے ہیں جن کے بل پر وہ مذہب کے خلاف اعلان جنگ دے رہے ہیں؟ اور جن کی کاٹ نہیں محض چمک دمک دیکھ کر آج کل کے ارباب "حریت فکر و ضمیر" یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ مذہب ان کا نام سنتے ہی سہم جائے گا۔ اور میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائیگا؟ آپ ان علوم و اکتشافات کو خواہ کتنی ہی اہمیت دیں مگر یاد رکھئے کہ امور غیب میں وہ ہرگز مفید یقین نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انکا یہ اثر ہو سکتا ہے کہ آپ "ریب و تذبذب" میں پڑ جائیں اور کہیں کہ ہم وحی والہام، بعث بعد الموت یا عذاب و ثواب آخرت یا فرشتوں کے وجود یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود خدا کے وجود کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم نہیں لگا سکتے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کو "ناچار مسلمان شو" کی لعنت سے نکال لینے اور "کافر نتوانی شد" کی "برکت" سے مالامال ہونے میں یہ علوم کچھ بھی مدد دے سکیں کیونکہ امور مذکورۂ بالا سے قطعی انکار کر دینے کے لئے یہ علوم کوئی حجت فراہم نہیں کرتے، اور کسی چیز کے عدم کا حکم لگانے کے لئے صرف اتنی حجت کافی نہیں ہے کہ اس کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ہے پس "ریب و تذبذب" کا مقام وہ آخری مقام ہے جہاں آپ کے "علوم جدیدہ" و "اکتشافات حاضرہ" آپ کو لے جاکر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر عقلی و ذہنی حیثیت سے یہ ایک بدترین مقام ہے اور جو علوم انسان کو یقین نہ بخش سکیں جو اسے ایک ایسے مقام پر معلق چھوڑ دیں جہاں اس کو کوئی جائے قرار نہ ملتی ہو، جو اسے "کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو" کی دلدل میں لیجا کر پھنسا دیں، وہ یقیناً جہل سے بدتر ہیں۔

اس مشکل سے اگر کوئی چیز انسان کو بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایمان بالغیب ہے۔ ایک دفعہ جب آپ نے ایک شخص کو نبی مان لیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ علوم الٰہیہ میں کامل بصیرت رکھتا ہے! اور یہ تسلیم کر لیا کہ وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتا، تو پھر آپ کے لئے امور غیب میں کسی تذبذب و ریب کی گنجایش نہیں رہتی، اور آپ کا اعتقاد یقین و اذعان کی ایک ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہوجاتا ہے جسے کسی "علم جدید" و "اکتشاف حاضر" اور "عمل و خیال" کی کسی "نئی طرح" اور "حریت فکر و ضمیر" کی کسی گرم بازاری سے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں صاف تصریح کردی گئی ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے متقین کے لئے اور متقین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (۲: ۱) اسی ایمان بالغیب پر مذہب کی پوری عمارت قائم ہے۔ اگر آپ نے اس اصل الاصول کو منہدم کر دیا تو پھر مذہب کے ان بنیادی معتقدات کے متعلق جن کی حقیقت معلوم کرنے کا خود آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے آپ کسی ایسی رائے پر نہیں پہنچ سکتے جس کی صحت کا خود آپ کو یقین ہو اور جس کی صداقت کا آپ دوسروں کو یقین دلا سکیں۔

نبوت کا مسئلہ بنیادی مسئلہ ہے

اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ایک شخص کے متعلق یہ دریافت کرنے کا کونسا ذریعہ ہے کہ وہ نبی ہے، اس کو علوم الٰہیہ میں کامل بصیرت حاصل ہے، اور وہ اس مرتبہ کا صادق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان ہے کہ اگر وہ امور غیب کے متعلق ہم کو ایسی باتیں سنائے جو ہماری عقل سے ماوراء اور ہمارے دائرہ علم باہر ہوں تب بھی ہم اس کی بات پر ایمان لے آئیں اور یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ وہ ہرگز جھوٹا نہیں ہے؟ اس سوال کا تصفیہ منحصر ہے دو چیزوں پر ایک یہ کہ ہم اس شخص کی ذاتی سیرت کو اس سخت سے سخت معیار پر جانچ کر دیکھیں جس پر کسی انسان کی سیرت جانچی جا سکتی ہے دوسرے یہ کہ ہم اس کی پیش کی ہوئی ان باتوں پر نگاہ ڈالیں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر نہیں ہیں اور جن میں قطعیت کے ساتھ ایک حکم عقلی لگانا ہمارے لئے ممکن ہے جب ان دونوں امتحانوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے صادق القول ہونے میں بے مثل ہے اور اس کے ساتھ زندگی کے تمام علمی اور فکری شعبوں میں خیر و صلاح و حکمت کی ایسی کامل تعلیم دیتا ہے جس میں انسانی عقل کہیں سے کوئی عیب نہیں نکال سکتی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کو سچا نہ مانیں اور یہ بدگمانی کریں کہ اس نے کسی علم و واقفیت کے بغیر محض دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے خدا اور فرشتوں اور عرش و کرسی اور وحی و الہام اور بعث بعد الموت اور دوزخ و جنت کا اتنا بڑا فریب گھڑ کر رکھ دیا ہے۔

پس حضرت نیاز کی تیسری غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن کے پہلے حصہ کو (جسے ہم نے اپنی تقسیم میں دوسرا حصہ قرار دیا ہے) قابل بحث نہیں سمجھتے اور مزید برآں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمام مذاہب "تقریباً یکساں ہیں"۔ اور "مذہب اسلام کی تعلیم دوسرے مذاہب کی تعلیم سے مختلف یا فروتر نہیں ہے"۔ برعکس اس کے ہم کہتے ہیں کہ ان کی تقسیم کے مطابق قرآن کے دوسرے اور تیسرے حصے (یا ہماری تقسیم کے مطابق پہلے حصے) کی صداقت کا فیصلہ منحصر ہی اس پر ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قرآن مجید کے ان تمام حصوں کی ناقدانہ چھان بین کریں جن کا تعلق امور غیب سے نہیں ہے۔ اور صرف اس پر اکتفا نہ کریں کہ اسلام کی تعلیم کا یہ حصہ "دوسرے مذاہب سے مختلف یا فروتر نہیں ہے"، بلکہ بدلائل یہ ثابت کریں کہ وہ تمام ان مذاہب سے جو غیر اسلام ہیں، اعلیٰ وارفع واجل ہے جب تک بحث کا یہ مرحلہ طے نہ ہو جائے۔ دوسرے مرحلے (یعنی امور غیب کی بحث) میں قدم رکھنا اصولاً غلط ہے، اور اس کے تصفیہ کے بغیر ان کا تصفیہ ممکن نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصول بحث

حضرت نیاز چاہتے ہیں کہ ہم "معاد" اور "کلام الہیٰ" اور ان آیات سے بحث کریں جو عقاید و قصص سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس بحث کے دو پہلو ہیں، اور وہ دو مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور اس بنا پر ان امور میں شک کرتا ہے، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہے، مگر امور غیب میں اس کو شکوک و شبہات ہیں۔ ان دونوں گروہوں سے بحث کرنے کے طریقے مختلف ہیں، اور جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ معترض کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس وقت تک ہم اس سے بحث نہیں کر سکتے

پہلے گروہ سے معاد اور کلام الہیٰ اور دوسرے امور غیب پر بحث کرنا بالکل بے نتیجہ ہے، کیونکہ اصل میں اختلاف رہتے ہوئے فروع پر بحث کر کے نتیجہ پر پہونچنا ممکن نہیں ہے۔ ہم معاد اور کلام الہیٰ حتیٰ کہ خود وجود و صفات الٰہی کے متعلق بھی جن باتوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان پر ہمارا ایمان و یقین اس بنا پر نہیں ہے کہ ہماری عقلی تحقیق یا ہمارے ذاتی تجربہ و مشاہدہ نے ان کے متعلق ہم کو کوئی ایسا قطعی اور یقینی علم بخشا ہے، جس کے خلاف پر کوئی دلیل عقلی قائم نہ کی جا سکتی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ نبوت کی بحث سے بے نیاز ہو کر ان مسائل سے بحث کی جا سکتی تھی، لیکن ان امور پر ہمارے قطعی ایمان و اذعان کی بنیاد تو اس اعتقاد پر ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم صادق القول ہیں! اور اپنی رسالت اور قرآن کے کلام آلہی ہونے کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اسی اصل سے یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ محمد صلعم اور ان کے پیش کردہ قرآن نے امور غیب کے متعلق جو کچھ خبریں دی ہیں۔ وہ سب صحیح ہیں۔ پس جب تک محمد صلعم کی صداقت کے منکر سے ہم اس بنیادی مسئلہ کو تسلیم نہ کرا لیں گے، اس وقت تک کسی فرعی مسئلہ سے بحث ہی نہ کریں گے۔

رہا دوسرا گروہ تو اس کے اس حق کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت تسلیم کرنیکے بعد امور غیب پر اس حیثیت سے کلام کرے کہ آیا قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خبریں دی ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط؟ . . . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے کہ یہ پہلو اختیار کرتے ہی وہ پہلے گروہ میں شامل ہو جائیگا۔ اگر وہ حقیقت میں دوسرے گروہ کا آدمی ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ قرآن کا لفظ لفظ صحیح ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا ہے غلطی سے مبرا ہے۔ البتہ وہ اس پر دو پہلوؤں سے کلام کر سکتا ہے ایک یہ کہ آیا فی الواقع قرآن میں ایسا ہے یا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ قرآن اور سنت میں جو کچھ فی الواقع ہے اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

آخری گذارش

آخر میں ایک بات مجھے اور عرض کرنی ہے۔ حضرت نیاز نے رائے دی ہے کہ ترجمان القرآن میں ایک باب المناظرہ کھولا جائے اور ارادہ ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے شبہات و اعتراضات بھی پیش کریں گے۔ جہاں تک اصطلاحی مناظرہ کا تعلق ہے میں نے ہمیشہ اس سے دامن بچایا ہے اور اب بھی بچانا چاہتا ہوں کیونکہ ایسی بحث کا میں ہرگز قائل نہیں ہوں جس کا مقصد محض دماغی ورزش یا عقلی کشتی ہو۔ رہا علمی مناظرہ، جس کا مقصد احقاق و تحقیق ہو، اور جس میں فریقین اس دلی خواہش کے ساتھ شریک ہوں کہ جو کچھ ان کے نزدیک حق ہے اس کا اظہار کریں گے، اور جو کچھ حق ثابت ہو جائیگا اس کو تسلیم کرلیں گے تو اس کے لئے میں ہر وقت آمادہ ہوں، بشرطیکہ جن شبہات و اعتراضات کو پیش کیا جائیگا وہ بجنسہ "ترجمان القرآن" میں نقل کئے جائیں گے اور پھر جواب دیا جائیگا۔ اسی طرح امید ہے کہ ترجمان القرآن کے جواب پر اگر حضرت نیاز کوئی تنقید فرمائیں گے تو اصل جواب بھی اس کے ساتھ نقل فرمائیں گے تاکہ دونوں رسالوں کے ناظرین بحث کے دونوں پہلوؤں سے واقف ہوں، اور خود بھی کوئی رائے قائم کرسکیں صرف ایک پہلو پیش کرنا اور دوسرے پہلو کو پیش کرنے سے احتراز کرنا میرے نزدیک خود اپنی کمزوری کا اعتراف ہے۔

© rasailojaraid.com